ĪQĀN- Vol: 03, Issue: 02, Jun-2021
DOI: 10.36755/iqan.632.2021-PP: 89-108

OPEN ACCESS
ĪQĀN
pISSN: 2617-3336
eISSN: 2617-3700
www.iqan.com.pk

اسلامی تہذیب کا غیر مسلم تہذیبوں سے اخذ و استفادہ: تجزیاتی مطالعہ

Origination of Islamic Civilization from Non-Muslim Civilizations: Analytical Study

***Muhammad Umair** <m.umair78@gmail.com>
Ph.D. Research Scholar, Department of Islamic Studies,
University of Sargodha, Sargodha, Pakistan.
***Dr. Muhammad Khubaib,** <muhammad.khubaib@iub.edu.pk>
Assistant Professor, Department of Islamic Studies,
The Islamia University of Bahawalpur, Pakistan.
*****Abubakar Siddiq,** <ranairc@gmail.com>
Department of Islamic Studies and Arabic,
Government College University, Lahore, Pakistan.

Version of Record
Received: 02-Mar-21; **Accepted**: 01-Jun-21; **Online/Print**: 30-Jun-21

ABSTRACT

When the moon of Islam was appeared on the horizon of Arabia, at the time there were Jews and Christians who had their civilization. When Muhammad PBUH started the preaching of Islam, people started to embrace Islam and it is commonly understood that initially, Muslims started to follow Islamic worship while living in the ancient Arab civilization and culture. Then gradually Islam spread in remote areas of Arabs and Islamic civilizations used to color its own on the face of the society, but much of the culture was still based on famous Arab culture. As the series of Islamic victories started, Islam also dominated other civilizations. The point of debate is that when Islam dominates the civilizations of other areas, nations, or religions, Meanwhile, Islam borrowed many social customs and cultures from other civilizations. In this article, the main point of research and analysis will be discussed getting affected of Islamic civilization by other civilizations and It will be concluded that how to understand this discussion for civil harmony in the distant future.

Keywords: *Islamic Culture, Civilizations, Arab Culture, Social Customs, Civil Harmony.*

CC BY

تعارف:

جب تہذیبوں کے مابین تصادم عروج پر ہو تو معاشرے کے لیے یہ طے کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ کونسا راستہ درست ہے اور کونسا غلط ہے۔ اسلامی تہذیب کا امتیاز یہ ہے کہ حالات چاہے کیسے بھی ہوں، اپنا وجود برقرار رکھتی ہے۔ دنیا میں دوسری کئی بڑی بڑی تہذیبیں نئی آنے والی تہذیبوں میں گم ہو گئیں یا حالات کی رو میں بہہ گئیں۔ اسلامی تہذیب ایک عالمگیر تہذیب ہے جو جہاں جاتی ہے وہاں اپنا راستہ بنالیتی ہے۔ پندرہ صدیوں پر محیط اپنے تاریخی ارتقاء کے مختلف مراحل میں اسلامی تہذیب نے دیگر غیر اسلامی تہذیبوں کے افراد کے مابین تہذیبی مراسم کی بے شمار اعلیٰ امثلہ پیش کی ہیں جس کے نتیجے میں تہذیبی اخذ واستفادہ کی مختلف شکلیں سامنے آئیں۔ زیرِ نظر تحقیقی مقالہ "دوسری تہذیبوں سے اخذ و استفادہ کے مرحلے میں اسلامی تہذیب کا تجربہ" بھی انہیں مختلف صورتوں کا احاطہ کرے گا۔ مسلمان جب بھی کوئی نیا علاقہ فتح کرتے تو وہاں کی تہذیب اسلامی تہذیب کے اثر میں آ جاتی لیکن چونکہ وہ لوگ وہاں پر صدیوں سے رہتے چلے آئے ہوتے تھے اس لیے نئی اسلامی تہذیب کے ساتھ قدیم تہذیب بھی شامل ہو جاتی اور اس طرح اسلامی تہذیب میں دوسری تہذیب سے اخذ و استفادہ کا دروازہ کھل جاتا تھا۔ اس موضوع پر ابن اسحاق، ابن ہشام، ابن جریر طبری، ابن اسیر، ابن خلدون اور جدید مصنفین میں سے شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی، ابو الحسن علی ندوی، مولانا مودودی، شیخ محمد اکرام، مولانا محمد اسحاق بھٹی، پروفیسر خورشید احمد اور دوسرے کئی مصنفین نے کام کیا ہے۔ مقالہ ہٰذا میں موضوع کو ایک نئی تحقیقی جہت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ مقالہ کے شروع میں تہذیب و ثقافت کا مختصر تعارف پیش کرنے کے بعد تہذیبی ارتقاء، اختلاط اور اس کے اثرات کا تاریخی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کے بعد اسلامی تہذیب کے اخذ واستفادہ کے تجربات کی امثلہ پیش کی گئی ہیں اور تہذیبی اخذ استفادہ کے اسلامی اصولوں پر بحث کی گئی ہے جس میں تہذیبی اخذ واستفادہ کے جواز اور عدم جواز کے دلائل پیش کیے گئے ہیں اور آخر میں موضوع کا خلاصہ اور سفارشات و تجاویز پیش کی گئیں ہیں۔

تہذیب و ثقافت کا لغوی و اصطلاحی مفہوم:

مولوی فیروز الدین نے تہذیب کے لغوی معنی "آراستگی، صفائی، اصلاح، شائستگی، خوش اخلاقی"[1] بیان کیے ہیں۔ وحید الزماں کیرانویؒ نے تہذیب کے لغوی معنی "آدمی بنانا، اصلاح، تصحیح" ذکر کیے ہیں۔[2] تہذیب انسانی معاشرے کی ایسی حالت کو کہتے ہیں جس میں اعلی سطح کی ثقافت، علم، صنعت، اور حکومت ترقی کے اعلی درجے کو پہنچ گئے ہوں:

> *An advanced state of human society, in which a high level of culture, science, industry and government has been reached.*[3]

کیمبرج ڈکشنری کے مطابق ترقی یافتہ سماجی اداروں پر مشتمل انسانی معاشرہ یا پھر کسی خاص زمانے میں اور خاص علاقہ کے لوگوں کا زندگی گزارنے کا طریقہ تہذیب یا ثقافت کہلاتا ہے۔ ول ڈیورانٹ کے مطابق تہذیب وہ معاشرتی ترتیب ہے جو ثقافتی تخلیق کو فروغ دیتی ہے۔ معاشی بہم رسانی، سیاسی تنظیم، اخلاقی روایات اور علم و فن کی جستجو وہ چار عناصر ہیں جن سے ملکر تہذیب تشکیل پاتی ہے۔[4]

تہذیب ایک ایسا پیچیدہ معاشرہ ہے جس میں شہری ترقی اور سماجی استحکام قائم ہو۔[5] تہذیب کے علاوہ ایک لفظ ثقافت بھی مستعمل ہے جو کہ عربی کا لفظ ہے جس کا ہم معنی انگریزی لفظ Culture ہے۔ لیکن اس کے معنی میں آج تک اتفاق نہ ہو سکا۔ کچھ ماہر عمرانیات تہذیب اور ثقافت دو شعبہ جات قرار دیتے ہیں جبکہ کچھ کا کہنا ہے کہ یہ دونوں الفاظ ایک دوسرے کے متبادل ہیں۔[6] کسی خاص زمانے میں لوگوں کے ایک خاص گروپ کا زندگی گزارنے کا طریقہ، خاص طور پر عام رواج اور عقائد وغیرہ ثقافت کہلاتا ہے۔ جدید اصطلاح "Culture" قدیم رومن خطیب اور مصنف مارکس ٹولیس سیزیرو Marcus Tullius Cicero کی کتاب Tusculanae Disputationes میں استعمال کردہ اصطلاح سے ماخوذ ہے۔ جہاں اس نے یہ لفظ کچھ اس طرح سے "cultivation of the soul or cultura animi" استعمال کیا تھا۔[7]

جرمن فلسفیوں نے تہذیب اور ثقافت کو الگ کرنے کی کوشش ہے جس میں ان کے مطابق تہذیب میکانیات، ٹیکنالوجی اور مادی قوتوں پر مشتمل ہوتی ہے جبکہ ثقافت معاشرے کی اقدار اور اعلیٰ ترین دانش ورانہ فنی واخلاقی صفات پر مشتمل ہوتی ہے۔ کچھ ماہرین نے تہذیب اور ثقافت کی تعریف اس کے بالکل برعکس بیان کی۔ ایک جامع نظریہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ تہذیب اور ثقافت دونوں ہی لوگوں کے مجموعی طرز حیات کو بیان کرتے ہیں اور ایک تہذیب وسیع تناظر میں ثقافت ہوتی ہے۔[8]

تہذیب و ثقافت کا ارتقاء:

تہذیبوں کی داستاں نسلوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ تاریخ میں جن مشہور تہذیبوں کا ذکر ملتا ہے ان میں قدیم رومن تہذیب، قدیم مصری تہذیب، عرب تہذب، آریائی تہذیب، چینی تہذیب، جاپانی تہذیب، ہندو تہذیب، اسلامی تہذیب، آرتھوڈوکس تہذیب، مغربی تہذیب، لاطینی امریکی تہذیب، افریقی تہذیب اور ہسپانوی تہذیب اہم ہیں۔ تہذیبیں قوموں کی شناخت متعین کرتی ہیں۔ تہذیب کا نظریہ اٹھارہویں صدی میں فرانسیسی فلسفیوں نے "بربریت" کے برعکس پیش کیا تھا۔ تہذیب یافتہ معاشرہ ایک منضبط اور تعلیم یافتہ معاشرہ ہوتا تھا جبکہ غیر تہذیب یافتہ معاشرہ ایک برا معاشرہ ہوتا تھا۔ تہذیب کے تصور نے معیار کی ایک کسوٹی مہیا کر دی تھی۔ ایک اہم بات یہ ہے کہ ایک ہی نسل کے لوگ مختلف تہذیبوں کا حصہ ہو سکتے ہیں جبکہ مختلف نسلوں کے لوگ ایک تہذیب میں آکر متحد ہو سکتے ہیں۔ قدیم مؤرخین کے درمیان دنیا میں پائی جانے والی تہذیبوں کے تعداد میں بھی اختلاف ہے۔ کیگلے ۱۶ تہذیبوں کا ذکر کرتا ہے، ٹائن بی ۲۳، سپنگلر ۸ بڑی تہذیبوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ میک نائل کے نزدیک تاریخ میں ۹ بڑی تہذیبیں موجود رہی ہیں۔

دنیا میں پائی جانے والی سب سے زیادہ مشہور چار تہذیبیں دنیا کے چار مشہور دریاؤں کے کناروں پر ظاہر ہوئیں۔ دریائے نیل کے ساحل کی تہذیب، دریائے فرات کی تہذیب، دریائے دجلہ کی تہذیب اور دریائے سندھ کے ساحل کی تہذیب۔ ایسا نہیں ہے کہ تہذیبوں کا آغاز صرف دریاؤں کے ساحل سے ہوتا ہے۔ اصل میں یہ تہذیبیں سب سے زیادہ مشہور تھیں۔ ان کے علاوہ چین اور کریٹ وغیرہ میں بھی تہذیبوں کے آثار ملتے ہیں۔ مؤرخین کے مطابق مصر اور بابل کی تہذیبیں سب سے زیادہ ترقی یافتہ تھیں اور اسی لیے ہو سکتا ہے ان دونوں تہذیبوں کا ایک ساتھ آغاز ہوا ہو۔ ان تہذیبوں کی اتنی زیادہ اہمیت اس لیے ہے کہ یہاں اعلیٰ معیار کی سائنسی اور تمدنی

ترقی دیکھنے کو ملتی ہے۔ مثلاً اس دور میں سائنسی معلومات اخذ کی گئیں، بلند و بالا عمارتیں تعمیر کی گئیں، کتابت کو رواج دیا گیا، علم النجوم، علم ریاضی اور مختلف ادویات ایجاد کی گئیں۔

ہر قوم کی ایک تہذیبی شناخت ہوتی ہے اور اس میں بعض ایسے انفرادی خصائص ہوتے ہیں جو ایک تہذیب کو دوسری تہذیبوں سے الگ اور ممتاز کر دیتے ہیں۔ ہر قومی تہذیب اپنی انہیں انفرادی خصوصیات سے پہنچانی جاتی ہے۔[9] اسلامی تہذیب بھی، انسانی تہذیبوں کے دراز سلسلہ کی ایک کڑی ہے، اس سے قبل بھی بہت سی تہذیبیں رونما ہوئیں اور اس کے بعد بھی تا قیامت ابھرتی رہیں گی۔ تمام تاریخ دان اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ کائنات میں ایک ممتاز اسلامی تاریخ کا وجود ہے۔ اسلام ساتویں صدی عیسوی میں جزیرہ نما عرب میں ظہور پذیر ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے قریباً پوری دنیا میں پھیل گیا۔ جیسے شمالی افریقہ، جزیرہ نما آئبیریا، وسطی ایشیا، برِ صغیر، جنوب مشرقی ایشیا اور یہاں تک کہ مغرب میں بھی اپنا سکہ جما لیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہت سی اہم ثقافتیں یا ذیلی تہذیبوں نے اسلام کے اندر اپنا وجود برقرار رکھا۔ جیسے کہ عرب، ترک اور فارسی تہذیب وغیرہ۔[10]

اسلامی تہذیب کی اساس کامل وحدانیت پر ہے۔ اسلامی تہذیب یہ تصور پیش کرتی ہے کہ کائنات کی ایک ایک چیز صرف اور صرف ایک ذات کی پیدا کردہ ہے۔ اسلامی تہذیب کے اہداف اور پیغامات تمام کے تمام آفاقی ہیں۔ اسلامی تہذیب نے اعلیٰ اخلاقی قدروں کو اپنے تمام ضابطہ ہائے حیات اور زندگی کی سرگرمیوں میں اولیت کا مقام عطا کیا۔ اسلامی تہذیب نے سچے اصولوں پر مبنی علم کو خوش آمدید کہا اور پختہ مبادیات پر مبنی عقائد کو اپنی توجہ کا مرکز قرار دیا۔

اسلامی تہذیب کا غیر اسلامی تہذیبوں سے اخذ استفادہ: تاریخی جائزہ:

تہذیبی اخذ و استفادہ کے مرحلہ میں اسلامی تہذیب کا سب سے بڑا تجربہ یہ ہے کہ اسلام جب عرب معاشرے میں نازل ہوا تو وہ اپنی تہذیب ساتھ لے کر آیا۔ لیکن چونکہ عرب معاشرے میں رہنے کی وجہ سے بہت سی روایات جو عربوں میں پائی جاتی تھیں وہ یا تو معاشرتی اختلاط کی وجہ سے اسلامی تہذیب کا حصہ بن گئیں یا شرعی احکامات کے ذریعے اسلام میں داخل کر دی گئیں اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے انہیں شریعت اسلامیہ کی سند عطا کر دی گئی۔ مثال کے طور پر عرب معاشرے میں قبائل کا نظام پہلے سے موجود تھا جو کہ بہت منظم تھا۔[11] نہ صرف اسلامی تہذیب نے اسے اختیار کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں انسانوں کو قبائل اور قوموں میں تقسیم کرنے کی توجیہ بھی بیان کر دی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا[12]

''ہم نے تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔''

اسی طرح عربوں کے ہاں روایت تھی کہ خوشی کے موقع پر خوشی کے گیت گائے جاتے تھے۔ جب آپؐ مدینہ تشریف لائے تو انصار کی لڑکیاں اپنی خوش الحان آوازوں سے خوشی کے گیت گا رہی تھیں اور آپ کی مدح میں اشعار پڑھ رہیں تھیں۔[13] اس کے علاوہ مسلمانوں نے غزوات اور جنگوں کے دوران جنگی علم کا استعمال کیا جو کہ قبل از اسلام عرب تہذیب سے ماخوذ ہے۔ عربوں میں جنگ کے دوران جنگی علم کا استعمال کیا جاتا تھا جیسا کہ ظہور اسلام سے قبل یہ جنگی علم اٹھانے کا عہدہ بنو امیہ کے پاس تھا۔[14]

مولانا شبلی نعمانیؒ کی تحقیق کے مطابق تمدن اور اسبابِ معاشرت سے متعلقہ چیزوں کے لیے عربی زبان میں موزوں الفاظ موجود نہیں تھے بلکہ ایسی چیزوں کے لیے عربی نے روم یا ایران سے الفاظ مستعار لیے۔ جیسا کہ سکہ کے لیے کوئی لفظ موجود نہیں تھا، درہم اور دینار دونوں غیر عربی الفاظ ہیں۔ درہم یونانی لفظ درخم سے ماخوذ ہے۔ پیالہ کو عربی میں کاس کہتے ہیں جو کہ فارسی لفظ کاسہ ہے۔ کرتہ کو عربی میں قرطق کہتے ہیں یہ بھی فارسی سے ماخوذ ہے۔ علامہ شبلی نعمانی کے مطابق عرب تہذیب نے اپنے آس پاس کی تہذیبوں سے بہت اثر لیا جس کے نتیجے میں عرب تہذیب سامنے آئی۔[15]

ایرانیوں نے جب اسلام قبول کر لیا تو ان کے اور عربوں کے درمیان بھائی چارے کے تعلقات قائم ہوئے۔ اسلامی اور ایرانی تہذیب کا یہ اختلاط مثبت مفاہمت کا ایسا نمونہ پیش کرتا ہے جس سے ہر فریق نے استفادہ کیا۔ اسلام اور اس کی تہذیب کے طفیل ایرانیوں میں بڑے بڑے علماء، ادباء اور شعراء پیدا ہوئے۔ مثلاً ابو حنیفہؒ، امام سیبویہؒ، ابن المقفعؒ، بشار بن بردؒ وغیرہ۔ عربوں نے ایرانیوں کی بہت سی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا اور ان سے انتظامی معاملات اخذ کیے۔ مثلاً دیوان کا طریقہ جو خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ نے اخذ کیا۔[16]

دور بنو امیہ میں تہذیبی اخذ و استفادہ:

شاہان عالم کے مقابلہ میں بنو امیہ کا درجہ بہت بلند نظر آتا ہے لیکن خلافت راشدہ کے مقابلہ میں اموی خلفاء صحیح معنوں میں خلفائے راشدین کے جانشین نہ تھے۔ کیونکہ خلافت راشدہ صحیح اسلامی حکومت تھی جبکہ اموی خلفاء شہنشاہ تھے۔[17] اموی دور میں چونکہ فتوحات کا سلسلہ مزید وسیع ہو گیا اور اسلام عرب سے باہر دوسرے علاقوں میں بھی پھلنے پھولنے لگا جس کے نتیجے میں دوسری تہذیبوں سے اخذ و استفادہ کا دور شروع ہوا۔

حضرت امیر معاویہؓ کے زمانہ میں شام کا دفتر حکومت رومی زبان میں تھا۔ سرجون رومی جو ایک عیسائی تھا، اس دفتر کا چیف سیکرٹری تھا۔ اس عہدہ کے علاوہ سرجون کو امیر معاویہ کی مجلس شوریٰ کی رکنیت کا فخر بھی حاصل تھا۔ ۶۴ھ میں جب یزید بن معاویہؓ نے حصین بن نمیر کو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے مقابلہ کے لیے بھیجا تو اس نے مکہ پر پتھر برسائے جس سے خانہ کعبہ کی دیواریں جھک گئیں، نیز آگ لگ جانے کی وجہ سے خانہ کعبہ کا بہت سا حصہ جل گیا۔ خلیفہ عبدالملک کے دور میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ہی خانہ کعبہ کی دوبارہ تعمیر کے لیے ایرانی اور رومی کاریگروں کی مدد لی۔

سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے درہم ڈھلوائے جو کہ ایرانی درہم کے مماثل تھے۔ پھر اس کے بعد اموی خلیفہ عبدالملک نے دینار ڈھلوائے جن کا ڈیزائن رومی دیناروں سے ماخوذ تھا۔ خلیفہ عبد الملک نے فوجی نظام کی اصلاح کے لیے بربر قوم سے خدمات حاصل کیں۔[18] موسیٰ بن نصیر نے مغرب کے علاقے میں کتاں وغیرہ سے کاغذ بنانے کا طریقہ مروج کیا۔ خلیفہ عبدالملک کے زمانہ تک شاہی لباس پہلے روم سے بن کر آتا تھا پھر مصر سے بن کر آنے لگا۔

خلیفہ عبدالملک نے جب قومی زبان عربی کو قرار دیا تو ایک تہذیبی اثر وقوع پذیر ہوا۔ چونکہ پہلے فارسی اور یونانی میں دفتری کام ہوتے تھے۔ اچانک جب ہر جگہ عربی زبان لازم کر دی گئی تو عربی زبان نے فارسی اور یونانی زبانوں سے کئی اصطلاحات اخذ کیں اور یہ اصطلاحات عربی زبان میں شامل ہو گئیں۔ لیکن اس سارے عمل میں تہذیبی اثر یہ ہوا کہ عربی کے بعض قواعد و ضوابط میں عجمی

زبانوں کے اعتبار سے تغیر و تبدل واقع ہوگیا۔ اگرچہ اصل وضع کے اعتبار سے عربی زبان برقرار رہی لیکن دوسری زبانوں کے اثرات ضرور رونما ہوئے۔[19]

حضرت امیر معاویہؓ کے پوتے خالد بن یزید نے علمائے طب کو بلا کر اپنے پاس دمشق میں رکھا جنہوں نے علمی کتب کے تراجم کیے۔ ان علماء میں ایک پادری مریانوس بھی تھا جس نے خالد کو کیمیا کی تعلیم دی اور اصطفان نے اس فن کی کتابیں عربی میں خالد کے لیے نقل کیں۔[20]

اموی خلیفہ عبدالرحمٰن نے قصر زہرا تعمیر کیا جو فن تعمیر کے عجوبوں میں شمار ہوتا تھا۔ قصر زہرا میں دو ایسے فوارے نصب کیے گئے تھے جن میں سے ایک قسطنطنیہ سے جبکہ دوسرا شام سے منگوایا گیا تھا۔[21]

دور بنو عباس میں تہذیبی اخذ واستفادہ:

عباسی خلیفہ منصور کے دور میں بہت زیادہ علمی وادبی ترقی ہوئی۔ منصور کے حکم سے یونانی، سریانی اور فارسی کتابوں کے عربی میں ترجمے کیے گئے۔ مثلاً جورجیس بن جبریل جس نے بہت سی یونانی کتابوں کو عربی میں منتقل کیا۔ بطریق جس نے مختلف زبانوں کی کئی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا۔[22]

عباسی خلیفہ ہارون الرشید نے تہذیبی اخذ واستفادہ کی اعلیٰ مثالیں قائم کیں۔ اس نے اپنے اطالیق اور وزیر کی مدد سے 'بیت الحکمت' کی بنیاد ڈالی جس میں یونانی فلاسفروں اور سائنسدانوں کے علمی ورثہ سے اخذ واستفادہ کا کام وسیع پیمانے پر ہوا۔ قدیم یونانی تہذیب کے سایہ میں بہت سے علوم وفنون، فلسفے اور ادبی شہ پارے پروان چڑھے۔ ان میں فیثا غورث، آرشمیدس، سقراط، افلاطون، ارسطو اور بقراط جیسے عظیم فلاسفر و مفکرین پیدا ہوئے جنہوں نے ایسے ایسے کمال نظریات پیش کئے جو بہت سے جدید علوم کی بنیاد بنے۔ یونانی تہذیب یافتہ ملکوں میں جب اسلام پھیلا اور اس کی تہذیب کو فروغ حاصل ہوا تو بہت سے مسلم فلاسفر جیسے فارابی، ابن سینا، الکندی اور ابن رشد وغیرہ نے یونانی تہذیبی ورثہ کو پڑھا اور اس میں بیش قیمت اضافے کیے۔ جدید مغرب میں ان علوم کی منتقلی کا سہرا انہیں مسلم علماء اور محققین کے سر جاتا ہے۔ بلاشبہ یہ علمی کارنامہ اسلامی تہذیب نے یونانی تہذیب سے اخذ کیا اور مغربی تہذیب کو منتقل کر دیا جس سے دور حاضر میں سائنسی ترقی ممکن ہو سکی۔[23] ہارون الرشید کے کتب خانہ میں عربی، یونانی، قبطی، کالڈی، ہندی اور فارسی زبان کا بڑا سرمایہ پایا جاتا تھا جس سے کھلے دل سے استفادہ کیا گیا۔[24]

عباسی خلیفہ مامون الرشید کے دور میں ایک حکیم النظام بغدادی معتزلی تھا جو کہ یونانی فلسفہ کا بہت بڑا عالم اور یونانی فلسفہ سے متاثر تھا۔ صاحب تاریخ ملت کے بقول علم الکلام کے زیادہ تر مسائل اسی کے اختراع کیے ہوئے ہیں۔[25] یعنی یونانی فلسفہ سے متاثر ہو کر اس نے علم الکلام کے مسائل اخذ کیے۔

مامون نے ہارون الرشید کے بیت الحکمت میں روم سے آئی ہوئی کتب داخل کیں۔ ان میں بقراط، ارسطو، اطالیس، اقلیدس، جالینوس اور بطلیموس وغیرہ کی کتب شامل تھیں۔ مامون نے یعقوب بن اسحاق الکندی کو فلسفہ ارسطو پر کتب کا ترجمہ کرنے پر مامور کیا۔ سہل بن ہارون کو جو ایک فارسی النسل حکیم تھا اسے مجوسیوں کی کتب کے ترجمہ کی خدمت سپرد کی گئی۔[26]

خلفائے بنو امیہ میں خلافت راشدہ کی طرح اسلامی روح تو نہ تھی لیکن پھر بھی عربوں کی جملہ خصوصیات کے ضرور حامل تھے اور انہوں نے اس کے تحفظ کا لحاظ بھی رکھا۔ ابن خلدون کے مطابق بنو امیہ کے اندر عربی عصبیت پوری طرح موجود تھی۔ بنو امیہ کا دار الخلافہ دمشق شام رومیوں کا ملک تھا۔ مسلمان اس سے متاثر ضرور ہوئے لیکن ان کی ساکھ باقی رہی۔ مسلمانوں پر رومیوں کے تمدن و تہذیب کا اثر تو ہوا لیکن غلبہ نہ ہو سکا۔ البتہ بنو عباس عجمی تمدن سے بہت زیادہ متاثر ہوئے۔[27]

اموی اور عباسی خلفاء نے جب فارسی اور مصری تہذیبوں والے علاقہ جات فتح کیے تو مسلمانوں کو مفتوحہ سامان کے ساتھ ان کی تہذیبیں بھی حاصل ہوئیں۔ مسلمانوں نے نہ صرف ان کی تہذیبوں کا احترام کیا بلکہ وقت ضرورت ان تہذیبوں سے اخذ و استفادہ بھی کیا اور مفید چیزیں اخذ کرکے اسلامی تہذیب میں شامل کیں۔

برصغیر میں تہذیبی لین دین کے گہرے اثرات:

اگر ہم برصغیر کی بات کریں تو سندھ میں مسلمانوں کی آمد سے مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان تہذیبی اختلاط کا آغاز ہوا جس کے نتیجے میں تہذیبی نفوذ پذیری عمل میں آئی۔ مثال کے طور پر جب اموی خلیفہ ولید بن عبد الملک کے بھیجے ہوئے کم سن سالار محمد بن قاسم نے چار سال کے عرصہ میں ساحل سندھ سے لے کر ملتان تک کا علاقہ فتح کر لیا تھا۔ حجاج بن یوسف بہت دور فہم تھا وہ جانتا تھا کہ سندھ کے لوگوں کو جب تک تہذیبی طور پر زیر نہ کیا گیا یہ پھر سر اٹھا سکتے ہیں۔ اس لیے اس نے اس مقصد کے لیے غیر مسلموں کو عرب تہذیب سکھانے کے انتظامات کروائے۔ حجاج بن یوسف کے حکم پر محمد بن قاسم نے راجہ داہر کے اہم وزیروں کو بھی قابو میں رکھا اور اپنی حکومت میں کئی اہم عہدے دیے جیسا کہ 'سی ساکر' کو اپنا مشیر بنالیا اور زیریں سندھ کا سارا انتظام اس کے سپرد کر دیا۔ راجہ داہر کے بھتیجے 'کاکسا' کو مبارک مشیر کے خطاب سے نوازا۔ لیکن حجاج کے کی وفات کی بعد بنو امیہ کے کسی حکمران میں اتنی انتظامی صلاحیت نہ تھی کہ وہ اتنے دور دراز علاقوں کا انتظام سنبھال سکتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جگہ جگہ بغاوتیں شروع ہو گئیں جو کہ بڑھتی گئیں جس کے نتیجے میں کئی علاقوں میں ہندوؤں نے دوبارہ اقتدار سنبھال لیا۔ اس طرح سے جو مسلمان بچ گئے انہوں نے وہاں کے مقامی لوگوں میں شادیاں کیں اور ایک مخلوط تہذیب کی بنیاد رکھی۔ اس سندھی اسلامی تہذیب میں یوں اسلام آنے کے بعد ہمیشہ اپنی تہذیب پر ہی رہا لیکن یہ تہذیب سندھ اور عرب تہذیب کا امیزہ تھی۔[28]

تیرہویں صدی کے آخر تک ترک سرداروں نے زیادہ تر ہندوستان پر قبضہ کرکے سلطنت دہلی کی بنیاد رکھی تو ایک بار تو محسوس ہوا کہ مسلمانوں کے ہندوستان پر اس طرح قبضہ کرنے سے ہندوستان کی ہر چیز ختم ہو جائے گی۔ کیونکہ مسلمانوں کے آنے سے ہندو مذہب شدید متاثر ہوا۔ پنڈت اور پجاری سرکاری سرپرستی سے محروم ہو گئے۔ مقامی ادب کی حوصلہ افزائی بند ہو گئی اور اس کی ترقی کی رفتار سست ہو گئی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ یہ سیاسی شکست ہندو تہذیب کا زوال ثابت ہو گی۔ لیکن ایسا ہونا فطری طور پر ممکن نہ تھا۔ کیونکہ ایک تو ہندو مسلمانوں سے تعداد میں زیادہ تھے جو کہ ہندوستان کے چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ مسلمان اس ملک میں نئے تھے وہ جغرافیائی اور علاقائی حالات سے اس طرح واقف نہ تھے جس طرح ہندو تھے۔ مسلمانوں کے پاس اور کوئی راستہ نہیں تھا کہ وہ ہندوؤں کو ساتھ لے کر چلیں۔ قطب الدین ایبک کو ہندو ملازمین کو برطرف نہ کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ سیاسی اور حکومتی نظام

چلانے کے لیے ہندوؤں کی مدد لینا ناگزیر تھا۔ پھر مزید یہ کہ جب مسلمان اقتدار میں آئے تو بہت سے ہندوؤں نے اپنا مذہب تبدیل کر لیا اور مسلمان ہو گئے۔ یہ نئے مسلمان ہونے والے ہندوؤں میں ابھی تک ہندوانہ رسومات بہت حد تک باقی تھیں۔ دونوں قوموں کو باہمی مفادات اور مصلحتوں کی بنا پر ایک ساتھ چلنا پڑا جس کے نتیجے میں تہذیبی لین دین کا آغاز ہوا۔ ہندوؤں پر مسلمانوں کا بہت زیادہ اثر ہوا اور انہوں نے اسلامی تہذیب سے استفادہ کیا اور بے شمار اسلامی تہذیب کے عناصر کو اپنے اندر جذب کیا۔ اسی طرح ایک ساتھ رہنے کی وجہ سے مسلمانوں نے بھی ہندو تہذیب سے بہت سی چیزیں اخذ کیں اور ایک نئے تہذیبی ملاپ کی بنیاد رکھی جسے تاریخ میں عام طور پر 'ہندو مسلم تہذیب' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ برصغیر کے مسلمان ہندوؤں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے ہندو تہذیب سے بہت زیادہ متاثر ہوئے اور مسلمانوں کے اندر بہت سی ہندوانہ رسومات نے جگہ بنالی جس کے نتیجے میں ہندو مسلم تہذیب کا اختلاط وقوع پذیر ہوا۔ مشہور مؤرخ خلیق احمد نظامی اس اثر کو یوں بیان کرتے ہیں:

> "ہندوؤں کو نہ صرف پوری مذہبی آزادی حاصل تھی بلکہ ان کے رسوم وعقائد، فلسفہ وافکار کو نہایت ہی ہمدردانہ طور پر سمجھنے کی کوشش کی جاتی تھی، بت پرستی پر طعنہ کے بجائے مسلمان ان کے جذبوں کو سمجھنے کی کوشش کرتے تھے"[29]

اس تہذیبی لین دین میں دونوں تہذیبوں نے ایک دوسرے سے استفادہ کیا لیکن موضوع کی قید کی وجہ سے مقالہ ہذا میں صرف وہ عناصر زیر بحث لائے جائیں گے جو مسلم تہذیب نے ہندو تہذیب سے اخذ کیے۔

ڈاکٹر محمد عمر نے تحقیق کی ہے کہ ہندوستانی تہذیب کو متاثر کرنے کے مقابلے میں اسلامی تہذیب ہندوستانی تہذیب سے کہیں زیادہ متاثر ہوئی ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ عہد مغلیہ میں بادشاہوں اور بالخصوص بادشاہ اکبر نے اپنے ملک کے باشندوں کے مذہبی اختلافات کو دور کرنے کی شعوری کوشش کی اور انہیں ایک ایسے مذہب کا پیرو بنانا چاہا جس میں تمام مذاہب کی اچھی اچھی باتیں سمو دی جائیں۔ اس نئے مذہب کا نام اکبر نے 'دین الٰہی' رکھا تھا۔ ہندو مذہب میں شادی کرکے اکبر نے ہندو تہذیب کو اپنے گھر میں جگہ دی اور ہندو رانیوں اور ان کی نوکرانیوں کو شاہی محل میں اپنے اپنے مذہبی عقائد پر عمل کرنے اور سماجی رسوم ادا کرنے کی پوری آزادی دی گئی۔ اکبر نے ہندو تہواروں کو قومی تہواروں کی حیثیت سے دربار میں بڑی دھوم دھام سے منانا شروع کر دیا اور اس کی پیروی میں بعد کے مغل بادشاہ بھی کو مناتے رہے اور بادشاہوں کی پیروی میں عوام نے بھی ہندو تہواروں میں خصوصی دلچسپی لی۔ جیسا کہ ہولی، دیوالی، دسہرہ، بسنت اور جنم اشٹی کے تہوار مسلمان بھی مناتے تھے۔ دیوالی کی رات مسلمان بھی جوا کھیلتے اور لال قلعہ میں گوبردھن کی پوجا ہوتی تھی۔ اس طرح ہندو تہذیب اسلامی تہذیب میں نفوذ کرتی گئی۔[30] جیسا کہ مرزا مظہر جانِ جاناں کا بیان ہے:

> "چنانچہ عام مسلمان خاص طور پر عورتیں دسہرہ، ہولی اور دیوالی کے موقع پر تمام ہندو رسمیں ادا کرتی تھیں۔"[31]

مرزا قتیل لکھتے ہیں کہ ہندوستانی مسلمان شادیوں میں سوائے چند رسموں کو چھوڑ کر جیسے آگ کے گرد چکر لگانا باقی سب رسمیں ہندوؤں کی طرح کرتے ہیں۔ جیسے لڑکے اور لڑکی کو زرد کپڑے پہنانا اور کلائی میں ریشمی کلاوہ باندھنا، عقد سے فارغ ہونے تک دولہا کے ہاتھ میں لوہے کا ہتھیار رکھنا اور عورتوں کا ستھنی لگانا وغیرہ تمام خالص ہندوانہ رسمیں ہیں۔[32]

اس طرح کی رسومات آج بھی دیہاتوں میں رہنے والے نچلے طبقے یا چھوٹے زمینداروں کے بچوں کی شادیوں میں پائی جاتی ہیں۔ خاص طور پر شادی بیاہ کی رسومات مسلم معاشرے میں اس طرح سرایت کر گئیں تھیں کہ انہیں یہ رسمیں اب غیر اسلامی بھی نہیں لگتی تھیں اور وہ اسے اپنی تہذیب کا حصہ ہی سمجھنے لگ گئے تھے۔ جیساکہ ہندوؤں میں بیوہ کے دوسرے نکاح کا رواج نہیں تھا تو مسلمان بھی دوسرا نکاح معیوب سمجھنے لگ گئے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں:

"ہندوؤں کی ایک بدترین رسم یہ ہے کہ بیوہ کی دوسری شادی نہیں کرتے۔ یہ بدترین رسم عربوں میں کبھی نہ تھی۔ نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل نہ آپؐ کے زمانے میں نہ آپؐ کے بعد۔"[33]

اس ہندوانہ رسم کا تہذیبی اثر یہ ہوا کہ آج بھی ہندوپاک میں طلاق یافتہ لڑکی سے شادی کرنے کے لیے ہر مرد تیار نہیں ہوتا اور بیوہ سے شادی کرنے کو اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ اس کے علاوہ شادی بیاہ کے موقع پر طرح طرح کی اوہام پرستی پر عمل کیا جاتا تھا مثلاً دلہن کی رخصتی کے وقت جب دلہن گھر کی دہلیز سے باہر نکلنے لگتی تو گیہوں کے دانے اپنے سر کے اوپر سے پیچھے گھر میں چھینکتی تھی اور یہ رسم آج بھی ہندو پاک میں موجود ہے۔ اس طرح کی اوہام پرستی بھی ہندو تہذیب سے سرایت کر کے اسلامی تہذیب میں داخل ہوئی ہے۔

اس کے علاوہ کھیل و تفریح میں مسلمانوں نے ہندوانہ تہذیب کی پیروی کی۔ مسلمانوں نے ہندوستانی کھیل تماشوں کو عربی یا فارسی نام دے کر اور بعض ترمیم و تبدل کے بعد انہیں اسلامی بنا لیا۔ اس کی سب سے بڑی مثال پتنگ بازی کی ہے۔ کٹھ پتلی کا کھیل جس کا نام تبدیل کر کے شب بازی رکھ لیا گیا۔ اس کے علاوہ بازی گری اور مداری کے کھیل جو کہ بابر کے دور میں کافی مقبول تھے۔ گھریلو کھیلوں میں تاش، شطرنج اور چوسر خالص ہندو کھیل ہیں۔ جانور لڑانے کا شوق بھی مسلمانوں میں پایا جاتا ہے جو کہ ہندوستانی کلچر سے اخذ کردہ ہے۔ جانوروں میں مرغ بازی، بٹیر بازی، کتا بازی، طوطے بازی وغیرہ اہم ہیں۔ ڈاکٹر عمر نے اسپیر کی تحقیق نقل کی ہے کہ شام چار بجے محل کے سامنے کئی سلاطین جمع ہو جاتے اور اپنے مرغ لڑا کر بہادر شاہ ظفر کا دل بہلاتے تھے۔[34]

قدیم ہندوستان میں علم نجوم و فلکیات کے علوم کا عام رواج تھا۔ ہندوستانی مسلمانوں کو بھی اس علم سے دلچسپی پیدا ہو گئی۔ علاء الدین خلجی کے دورِ حکومت میں خواص و عوام کو اہل تنجیم سے بڑی دلچسپی تھی۔ برنی کی تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں مسلمانوں میں علمِ نجوم کا عام رواج پایا جاتا تھا۔[35] مسلمانوں نے ترکی اور فارسی زبانوں کو روزمرہ کے استعمال کے لیے ترک کر کے ہندوستانی بول چال کی زبان اختیار کی اور اس لین دین سے جو زبان وجود میں آئی اٹھارویں صدی میں اسے اردو کا نام دیا گیا۔ مزید برآں ہندوؤں کی کناگت اور شب براءت کی رسموں میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ مسلمانوں میں شب براءت کی رسم حلوہ پوری سے بدل گئی اور کچھ مزید رسمیں بھی اس میں شامل کر لی گئیں۔

اسلام میں ساز کے ساتھ سنگیت سننا حرام ہے جبکہ ہندوستان میں سلاطین دہلی نے موسیقی کی خوب سرپرستی کی۔ علاء الدین خلجی کے دور میں موسیقی نے بہت ترقی کی۔ فیروز شاہ تغلق کے دور میں فن موسیقی پر دو کتب لکھی گئیں۔ ایک غنیۃ المنیہ اور دوسری معرفت الالحان، جس کا فارسی میں ترجمہ کیا گیا۔ اکبر بادشاہ نے ہندو گویوں کو دربار میں ملازم رکھ کر ان کی سرپرستی کی۔[36]

اکبر کے عہد سے پہلے ہی اس ملک کی آب وہوا کے لحاظ سے مسلمانوں نے ہندوؤں کے لباس کو بعض تصرفات کے ساتھ اپنا لیا تھا۔ مقامی لوگ مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد اپنا قدیم لباس پہنتے رہے۔ ابوالفضل نے آئین اکبری میں ''سنگار کے طریقے'' کے باب میں ہندو عورتوں کے لباس کا ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ انگیا، لہنگا، ڈنڈیا، دوپٹا، اوڑھنی، کرتی یا کرتا وغیرہ۔ ملک محمد جالسی نے 'پہ مادت' میں ہندو عورتوں کے سنگار کے طریقوں اور لوازمات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ ابوالفضل نے بھی ہندو عورتوں کے سولہ سنگار بیان کیے ہیں۔ مسلمان عورتوں نے سنگار کے طریقے ہندو عورتوں سے اخذ کیے تھے اسی لیے ان کے نام بھی ہندی میں ہیں۔ جیسے ٹیکا، اپٹنا، ارگجا، کاجل، غازہ، مسی اور پان وغیرہ۔[37] ان میں سے بہت سے سنگار کے طریقے آج بھی برصغیر پاک وہند میں رائج ہیں جو کہ اسلامی تہذیب کا حصہ بن چکے ہیں۔

تہذیبی اخذ واستفادہ کے اسلامی اصول:

عرب میں اسلام کا ظہور ہونے کے بعد اسلامی تہذیب کا آغاز ہوا اور اسلامی تعلیمات میں وسعت کے ساتھ ساتھ اسلامی تہذیب میں بھی وسعت آتی گئی۔ حجۃ الوداع کے موقع پر دین کی تکمیل کے پیغام کے نزول[38] کے ساتھ اسلامی تہذیب کے الہامی اصول و قوانین کا باب تو بند ہو گیا لیکن اسلام کے تہذیبی عناصر کی تشریح قیامت تک جاری رہے گی جو کہ نبی کریمؐ کے فرمان[39] کے مطابق علماء کے ذمہ ہے اور دوسری تہذیبوں سے اخذ واستفادہ کی مشروط گنجائش بھی باقی ہے۔

شرعی اور فقہی لحاظ اس تہذیبی اخذ واستفادہ کے کچھ اصول وضوابط اور شرائط ہیں۔ اگر تہذیبی لین دین ان شرائط کے اندر رہ کر کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ مشروط اور محتاط اخذ واستفادہ اسلامی تہذیب کے لیے سود مند ثابت ہوگا اور تہذیبی ترقی کا باعث بن سکتا ہے۔ لیکن غیر ضروری اور بلاجواز اخذ واستفادہ کی اجازت نہ شریعت دیتی ہے اور نہ اس کا کوئی فائدہ ہے بلکہ اندھی تقلید اور غیر ضروری تہذیبی اخذ واستفادہ اسلامی تہذیب کے وجود کے لیے خطرہ ہے۔ ذیل میں وہ اسلامی اصول پیش کیے جا رہے ہیں جنہیں مدِّ نظر رکھتے ہوئے دوسری تہذیبوں سے اخذ واستفادہ ہو سکتا ہے۔

اخذ واستفادہ نہ تو بنیادی اسلامی عقائد کے خلاف ہو اور نہ قرآن وسنت کی کسی صریح نص سے متصادم ہو۔ اسلامی عبادات اور معاملات جن کے بارے میں واضح نص موجود ہو ان میں اخذ واستفادہ نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح حرام اور ممنوعہ امور میں بھی تہذیبی اخذ و استفادہ نہیں کیا جا سکتا۔ ان امور میں اخذ واستفادہ کیا جائے جن سے معاشرتی فلاح کا پہلو نکلتا ہو اور ایسی رسوم ورواج جو معاشرے کا حصہ بن چکے ہوں اور جن پر عمل کرنے سے شریعت کی مخالفت نہ ہو ان میں بھی اخذ واستفادہ کیا جا سکتا ہے۔ معاشرتی بگاڑ یا معاشرے میں فحاشی پھیلانے کا باعث بننے والے امور میں کسی دوسری تہذیب سے اخذ واستفادہ کرتے وقت خاص احتیاط کی ضرورت ہے۔

درج بالا نکات کی روشنی میں دور حاضر سے متعلقہ امور میں درج ذیل استثنائی صورتیں سامنے آتی ہیں۔ مثلاً ٹائی اگرچہ اسلامی تہذیب کا حصہ نہیں ہے لیکن معاشرتی رواج کی وجہ سے پہنی جا سکتی ہے۔ اسی طرح اگر مکمل ستر پوشی ہو تو پینٹ پہننے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ مفید اور ضروری حد تک میڈیا سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ مخلوط تعلیمی نظام بھی مغربی تہذیب کی دین ہے اور موجودہ دور میں اس سے بچنا بھی آسان نہیں ہے۔ اس لیے اس نظام تہذیب کے ساتھ قبول کیا جا سکتا ہے لیکن تعلیمی اداروں میں کچھ ضروری اقدامات کیے

جانے چاہئیں تاکہ اس کے مضمرات کو کم سے کم کیا جاسکے۔ جہاں تک تہواروں کا معاملہ ہے تو ان میں سے اکثر تہوار تشبہ بالکفر میں آتے ہیں یا بے مقصد اور ممنوعہ تفریحی معاملات میں آتے ہیں اس لیے ان سے آخری حد تک بچنا چاہیے۔ جہاں تک ساز اور موسیقی کا معاملہ ہے تو اس میں فقہاء کا اجماع ہے کہ یہ حرام ہے۔ صرف دف کی اجازت دی گئی ہے۔ بالکل اسی طرح دوسرے معاملات میں بھی شرعی حدود و قیود اور قوانین کا اطلاق ہوگا۔

مثال کے طور پر جب نجران کے عیسائیوں کا وفد آپؐ کی خدمت حاضر ہوا تو انہوں نے اپنے علاقے کی قیمتیں چادریں اور تصویر دار بچھونے آپؐ کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کیے۔ لیکن آپؐ نے چادریں قبول کرلیں اور بچھونے واپس کر دیے۔[40] جس کا مطلب یہ ہے کہ تہذیبی یا ثقافتی اثر قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جب تک کہ وہ شریعت کے مخالف نہ ہو۔ بچھونوں پر چونکہ تصاویر بنی ہوئی تھیں اس لیے وہ واپس کر دی گئیں۔ اسی طرح بحرین سے آئے ہوئے قبیلہ عبد القیس کے لوگوں نے جب آپؐ سے دریافت کیا کہ ہماری ثقافت میں شراب نوشی عام ہے اور اس کا بہت رواج ہے اس لیے ہمیں اس کی اجازت دی جائے تو آپؐ نے قطعی طور پر منع فرما دیا تھا۔[41] جس کا مطلب بڑا صاف ہے کہ شراب کی حرمت سے متعلق واضح نص موجود ہے تو پھر کسی بھی علاقے کی اسلامی تہذیب کو اس کی اجازت ہرگز نہیں دی جاسکتی۔

غیر اسلامی تہذیب سے اخذ و استفادہ کے جواز کے دلائل:

تہذیبی اخذ و استفادہ کرنے کے لیے کچھ شرعی حدود و قیود اور شرائط ہیں جن کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ اگر ہم تہذیبی اخذ و استفادہ کا فقہی جائزہ لیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ قرآن و سنت سے تہذیبی اخذ و استفادہ کے اشارات ملتے ہیں جن سے ہم باآسانی یہ استدلال کر سکتے ہیں کہ بوقتِ ضرورت اسلامی اصولوں کے مطابق تہذیبی اخذ و استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ[42]
>
> ''اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کے لئے حلال ہے اور پاک دامن مسلمان عورتیں اور جو لوگ تم سے پہلے کتاب دیئے گئے ہیں ان کی پاک دامن عورتیں بھی حلال ہیں۔''

درج بالا آیت سے دو باتیں سامنے آتی ہیں۔ اہل کتاب کا ذبیحہ ہمارے لیے حلال ہے اور مسلمان مردوں کے لیے اہل کتاب کی عورتیں بھی حلال ہیں، ان سے نکاح کیا جاسکتا ہے۔ پہلی اجازت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اہل کتاب کے گھر سے کھانا بھی کھایا جاسکتا ہے، ان سے میل جول رکھا جاسکتا ہے اور پھر ان کی عورتوں سے شادی بھی کی جاسکتی ہے۔ اس حکم الٰہی سے تہذیبی روابط کی گنجائش پیدا ہوتی ہے۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے:

> قَبِيصَةَ بْنَ هُلْبٍ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ طَعَامِ النَّصَارَى فَقَالَ لَا يَتَخَلَّجَنَّ فِي صَدْرِكَ طَعَامٌ ضَارَعْتَ فِيهِ النَّصْرَانِيَّةَ[43]
>
> ''ہلبؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نصاریٰ کے کھانے کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا:
> ''کوئی کھانا تمہارے دل میں شک پیدا نہ کرے کہ اس کے کھانے سے نصرانیت سے تمہاری مشابہت ہو جائے گی''

یعنی مسلمانوں کے لیے اہل کتاب کا کھانا کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امام ترمذی بھی درج بالا حدیث کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ اہل کتاب کے کھانے کے سلسلے میں رخصت ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ فَرَأَى الْيَهُودَ تَصُومُ يَوْمَ عَاشُورَاءَ فَقَالَ مَا هَذَا قَالُوا هَذَا يَوْمٌ صَالِحٌ هَذَا يَوْمٌ نَجَّى اللَّهُ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ عَدُوِّهِمْ فَصَامَهُ مُوسَى قَالَ فَأَنَا أَحَقُّ بِمُوسَى مِنْكُمْ فَصَامَهُ وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ[44]

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپؐ نے یہودیوں کو عاشوراء کا روزے رکھتے دیکھا۔ آپ نے ان سے دریافت کیا: "اس روزے کی حیثیت کیا ہے؟" انھوں نے جواب دیا: یہ ایک اچھا دن ہے، اس دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اس کے دشمن سے نجات دی تھی تو موسیٰ علیہ السلام نے روزہ رکھا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں تم سے زیادہ موسیٰ علیہ السلام سے تعلق رکھتا ہوں۔" چنانچہ آپ نے اس دن کا روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

درج بالا حدیث تہذیبی اخذ واستفادہ پر مضبوط ترین دلیل ہے:

غزوہ خندق کے موقع پر لشکر گراں کے حملہ سے بچنے کے لیے آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے مشاورت کی تو حضرت سلمان فارسیؓ نے فارس کی تہذیب کی ایک جنگی ترکیب بیان کی کہ شہر کے گرد خندق کھودی جائے۔ عرب تہذیب میں یہ نئی بات تھی اور اس تجویز کو پسند کیا گیا اور خندق کھودنے کا فیصلہ ہوا۔[45]

بیت المال شامی تہذیب سے متاثر ہو کر بنایا گیا۔ علامہ شبلی نعمانی نے الفاروق میں لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے جب رقم کی تقسیم کے حوالے سے رائے طلب کی تو حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ نے اپنی اپنی رائے دی۔ پھر ولید بن ہشام نے کہا کہ میں نے سلاطین شام میں دیکھا ہے کہ خزانہ اور دفتر کا جدا جدا محکمہ قائم ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس رائے کو پسند کیا اور بیت المال کی بنیاد ڈال دی۔[46]

اسی طرح ایک اور مثال ام المومنین حضرت جویریہؓ کی ہے جو یہودی قبیلہ بنو مصطلق سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپؓ غزوہ مریسیع میں گرفتار ہو کر آئیں اور حضرت ثابت بن قیسؓ کے حصہ میں آئیں جن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فدیہ دے کر آزاد کرا لیا اور ان سے شادی کر لی۔[47] جس کا مطلب یہ ہے کہ یہودی تہذیب و تمدن کو گھر میں جگہ عطا کی گئی۔

علامہ ابن النجیم لکھتے ہیں:

"یاد رکھیں ہر بات میں اہل کتاب کے ساتھ مشابہت مکروہ نہیں ہے۔ کیونکہ ہم بھی ان کی طرح کھاتے پیتے ہیں۔ صرف ان چیزوں میں تشبیہ حرام ہے جن سے ان کے مذہب کی مشابہت ہو رہی ہو یا وہ نصوص شرعیہ کے خلاف ہوں۔[48]

مسلمانوں اور یہودیوں کی کچھ تہذیبی اقدار تو پہلے ہی ایک ہیں۔ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں اور یہودیوں میں مشترک چیزیں زیادہ ہیں جبکہ مختلف چیزیں کم ہیں۔ مسلمان السلام علیکم کہتے ہیں جبکہ یہودی سالوم کہتے ہیں جس کے معنی بھی سلامتی کے ہیں۔ تالمود میں ہے کہ ایک آدمی کا قتل کرنا پوری انسانیت کے قتل کرنے جیسا ہے جبکہ ایسا ہی بیان قرآن مجید میں موجود ہے۔[49]

امام ابنِ تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ جن چیزوں کے بارے میں اسلام خاموش ہے ان میں ما قبل اسلام پر عمل کرنے کی مشروط اور محتاط گنجائش موجود ہے جس پر علماء کا اجماع ہے۔ اور درج ذیل آیات قرآنی بھی اسی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ لیکن ایک تو یہ اصول نہیں ہے اور دوسرا یہ کہ عقائد و عبادات کے معاملے میں ایسا ہرگز نہیں کیا جاسکتا ہے۔[50] فرامینِ الٰہی: فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ[51] "ان ہی کے طریق پر چلیے" اور: اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ[52] "آپ ملت ابراہیم کی پیروی کریں"۔

شیخ ملا علی قاریؒ یوں رقمطراز ہیں:

> "ہمیں کافروں اور منکر بدعات کے مرتکب لوگوں کے شِعار میں مشابہت اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے، وہ بدعت جو مباح کا درجہ رکھتی ہو اس سے نہیں روکا گیا، خواہ وہ اہلسنت کے افعال ہوں یا کفار اور اہلِ بدعت کے لہٰذا حرمت کا مدار مذہبی شِعار ہونے پر ہے۔"[53]

علامہ غلام رسول سعیدیؒ لکھتے ہیں:

> "کفار کے ساتھ تشبہ ان امور میں ممنوع ہے، جو امور کفار کے عقائدِ فاسدہ اور اعمالِ باطلہ کے ساتھ مخصوص ہوں یا جو امور کتاب وسنت کی تصریحات کے خلاف ہوں۔ اور جو امور ہمارے اور کفار کے درمیان مشترک ہوں یا جنہیں اختیار کرنا نفع مند ہو، ان میں اگر کفار کے ساتھ تَشَبُّہ واقع ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔"[54]

شعار کی بحث صرف ان امور کے سے متعلق ہے جن کے بارے میں شریعت سے کوئی ممانعت موجود نہ ہو۔ ورنہ ہر ممنوعِ شرعی سے بچنا ضرور ہوگا خواہ وہ کسی قوم کا شعار ہو یا نہ ہو۔ اس کے بعد جن چیزوں کی ممانعت موجود نہ ہو اگر وہ دوسروں کا شعار ہوں تو ان سے بھی مسلمانوں کا اجتناب کرنا ضروری ہوگا۔ اگر ان کا تعامل دوسروں کی طرح عام ہو جائے یہاں تک کہ اس زمانے کے مسلمان علماء بھی ان کو اختیار کرلیں تو پھر ممانعت کی سختی باقی نہ رہے گی، جس طرح کوٹ کا استعمال ابتداء میں صرف انگریزوں کے لباس کی نقل تھی، پھر وہ مسلمانوں میں رائج ہوا یہاں تک کہ صلحاء اور علماء تک نے اختیار کرلیا۔[55]

غیر اسلامی تہذیب سے اخذ واستفادہ کے عدم جواز کے دلائل:

ذیل میں وہ دلائل زیرِ بحث آرہے ہیں جو تہذیبی اخذ واستفادہ کی ممانعت پر دلالت کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا لَا تَتَّخِذُوا ٱلْيَهُودَ وَٱلنَّصَٰرَىٰٓ أَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ[56]

"اے ایمان والو! یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا دوست نہ بناؤ، یہ سب ایک دوسرے کے دوست ہیں۔"

درج بالا آیت میں اللہ تعالیٰ یہود نصاریٰ سے دوستی کے تعلقات رکھنے سے منع کرتے ہیں۔

ایک دوسری جگہ فرمایا:

لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ[57]

"تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین۔"

یعنی تم اپنا رستہ لو ہم اپنا رستہ لیتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

غَيِّرُوا الشَّيْبَ وَلَا تَشَبَّهُوا بِالْيَهُودِ[58]

"بال کی سفیدی خضاب کے ذریعہ بدل ڈالو اور یہود کی مشابہت نہ اختیار کرو۔"

ایک دوسری حدیث میں ہے:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَشَبَّهَ بِغَيْرِنَا لَا تَشَبَّهُوا بِالْيَهُودِ وَلَا بِالنَّصَارىٰ[59]

"جس نے ہمارے غیروں کی مشابہت کی وہ ہم میں سے نہیں، یہود نصاریٰ کی مشابہت اختیار نہ کرو۔"

ایک اور مقام پر آپؐ نے فرمایا:

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ[60]

"جس نے کسی قوم سے مشابہت اختیار کی تو وہ انہی میں سے ہوا۔

حضرت عمر فاروقؓ کا قول ہے:

نحن قوم أعزنا الله بالإسلام فمهما ابتغينا العزة بغيره أذلنا الله[61]

"ہم وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ساتھ مربوط رہنے میں عزت عطا فرمائی ہے۔ اگر ہم نے اسلام کے علاوہ کسی دین یا تہذیب سے اپنی عزت کی راہیں ڈھونڈنے کی کوشش کی تو اللہ تعالیٰ ہمیں ذلیل کر دے گا۔"

درج بالا تمام دلائل سے یہی بات سامنے آتی ہے کہ تہذیبی اخذ واستفادہ زندگی کے ہر پہلو میں نہیں کیا جا سکتا۔ ایسا نہیں ہے کہ اسلام تہذیبی اخذ واستفادہ کی اجازت نہیں دیتا بلکہ تہذیبی اخذ واستفادہ کی مشروط اجازت دیتا ہے۔ اسلامی اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے مثبت انداز میں تہذیبی اخذ واستفادہ کیا جا سکتا ہے۔

حاصل بحث:

مسلم ممالک میں دورِ حاضر کا سب سے بڑا مسئلہ جدید تہذیب کی یورش ہے۔ یہ تہذیب بجلی کی سی تیزی سے آئی اور تمام معاشروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ شروع شروع میں تو علم ہی نہ ہو سکا کہ یہ تہذیب کب اسلامی معاشرے کے اندر سرایت کر گئی۔ جب امت کے علماء اور حکماء کو فکر لاحق ہوئی تو انہوں نے غور و فکر کرنا شروع کیا اور مختلف تجاویز زیر غور آئیں۔ لیکن بنیادی مسئلہ یہ تھا کہ ان پر عمل کرنے کے لیے کوئی مکمل لائحہ عمل موجود نہیں تھا۔ کوئی بھی کام جب غیر منظم انداز میں کیا جاتا ہے تو بجائے فائدہ ہونے کے اس کے بگڑنے کے امکانات کی شرح زیادہ ہوتی ہے۔ اس مسئلہ میں بھی ایسا ہی ہوا جب بغیر کسی لائحہ عمل کے اس تہذیب جدید کی یلغار سے بچنے کے لیے بے ہنگم کوششیں شروع ہوئیں تو اس کا نقصان یہ ہوا کہ دو گروہوں کی شکل میں دو نئی انتہاؤں نے جنم لیا۔ ایک وہ گروہ جو اس جدید تہذیب سے استفادہ کے مکمل خلاف ہو گیا اور اس نے کہا کہ اگر مسلمانون کو اس سے دور نہ رکھا گیا تو یہ اسلامی تہذیب کے وجود کو ہی ختم کر دے گی۔ اس گروہ نے جدید مغربی لباس، ٹیلی ویژن اور دوسری جدید ٹیکنالوجی کا استعمال حرام یا غیر شرعی قرار دے دیا

اور اس تہذیب سے اخذ و استفادہ کو غیر اسلامی طرز اور کفر سے تعبیر کرنا شروع کر دیا۔ جبکہ دوسرا گروہ لبرل یا روشن خیال طبقہ کا نمائندہ بن کر سامنے آیا اور اس نے جدید لباس، تعلیم، سائنس، ٹیکنالوجی، رہن سہن الغرض معیشت، معاشرت، سیاست، قانون یہاں تک کہ ہر معاملہ میں جدید تہذیب کی پیروی کرنے کو ترجیح دی۔ یہ دونوں ہی منفی اور نا قابلِ عمل رویے تھے۔ اس دوران ایک تیسرا گروہ بھی تھا جو مصلحین قوم اور علماء پر مشتمل تھا۔ اس نے ایک اور تجویز پیش کی کہ تہذیب جدید کے اچھے معاملات کو اپنانا چاہیے اور برے معاملات سے دور رہنا چاہیے۔ تہذیب سے اخذ و استفادہ کے معاملہ میں سب سے مناسب اور موزوں رائے تیسرے گروہ کی ہے جو کہ ایک معتدل سوچ کی پیداوار ہے۔ معتدل رائے بھی یہ ہے کہ وہ امور جو ٹیکنالوجی اور سائنس سے وابستہ ہیں ان میں ہمیں جدید تہذیب سے اخذ اور استفادہ کرنا چاہیے۔ جیسا انفارمیشن ٹیکنالوجی، میڈیکل، زراعت، انجینیئرنگ، ادب اور آرٹ۔ جبکہ اخلاقیات، رواداری، شائستگی، آدابِ زندگی جیسے معاملات قدیم تہذیب سے اخذ کیجیے، انہیں ہر گز تبدیل مت کیجیے۔ یہ وہ معاملات ہیں جو کسی بھی تہذیب کی شناخت ہوتے ہیں۔

سفارشات و تجاویز:

تہذیبی اخذ و استفادہ بنیادی طور پر اسلامی تہذیب کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ بنانے کا ایک ذریعہ ہے جس کی حوصلہ افزائی کی جانی چاہیے:

دوسری تہذیبوں سے اخذ و عطا کے معاملہ میں سب سے اہم موڑ دوسری تہذیب کی چھان بین ہے کہ کونسی چیز اخذ کرنی اور کونسی رد کرنی ہے۔ اس مقصد کے لیے علمی و عملی میدان میں ان افراد کی تقرریاں کی جائیں جو علمی لحاظ سے پختہ اور تجربہ کار ہوں۔

تہذیبی اخذ و استفادہ کی اہمیت اُجاگر کرنے اور اس کے مختلف پہلوؤں پر بحث کرنے کے لیے تحریری و تقریری پروگراموں کے انعقاد کی ضرورت ہے تاکہ موضوع کی مزید نئی نئی جہتیں کھل کر سامنے آسکیں اور اس سوچ کو عملی جامہ پہنانا آسان ہو سکے۔

نوجوان نسل میں قرونِ وسطیٰ کے مسلم مشاہیر اور سائنسدانوں کی خدمات اُجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ، دورِ حاضر میں جس تہذیب کے مشاہیر اور سائنسدان ترقی یافتہ ہیں، ان سے استفادہ کی تحریک پیدا کی جانی چاہیے۔

اس وقت اسلامی تہذیب کو جن مشکلات کا سامنا ہے ان میں سے ایک انتہا پسندی اور شدت پسندی ہے جس کا لیبل اسلامی تہذیب کے ماتھے پر لگا دیا گیا ہے۔ لہٰذا رواداری اور بھائی چارے کی فضا پروان چڑھا کر اور دوسری تہذیبوں و قوموں سے دوستانہ تعلقات استوار کر کے اس لیبل کا خاتمہ اور اسلامی تہذیب کا احیاء کیا جانا چاہیے۔

@ 2021 by the author, this article is an open-access article distributed Under the terms and conditions of the Creative Commons Attribution CC-BY http://creativecommons.org/licenses/by/4.0/

[1] فیروزالدین، **فیروزاللغات** (کراچی: فیروز سنز، ۲۰۱۰ء)، ۳۹۳۔

Feroz uddin, *Feroz al Lugāt* (Karachi: Feroz Sons, 2010), 393.

[2] وحیدالزمان کیرانوی، **الجدید القاموس الاصطلاحی** (کراچی: دارالاشاعت)، ۲۰۵۔

Vahid ul Zaman Kerānvi, *Al Jadid Al Qamūs Al Istalahi* (Karachi: Dār ul Asha'at), 205.

[3] http://www.dictionary.com/browse/civilization.

[4] ول ڈیورانٹ، **انسانی تہذیب کا ارتقاء**، مترجم: تنویر جہاں (لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۰۴ء)، ۵۔

Will Durant, trans. Tanvir Jahan, *Insani Tahzib ka Irteqa* (Lahore: Function House, 2004), 5.

[5] Robert Mc Cormick Adams, *The Evolution of Urban Society* (Leiden: Transaction Publishers, 1966), 13.

[6] Faizi, *Islamic culture* (Lahore: Orient Publisher, 1980), p: 2

[7] Cicéron, Marcus Tullius Cicero; Bouhier, *Tusculanes* (Nismes: J. Gaude, 1812), 108.

[8] سیموئیل پی ہنٹنگٹن، **تہذیبوں کا تصادم**، مترجم: احسن بٹ (لاہور: مثال پبلشنگ، ۲۰۰۳ء)، ۶۰۔

Samuel P. Huntington, trans. Ahsan But, *Tahzebon ka Tasadum*, (Lahore: Masal Publishing, 2003), 60.

[9] سبط حسن، **پاکستان میں تہذیب کا ارتقاء** (کراچی: مکتبہ دانیال، ۱۹۸۹ء)، ۱۱۔

Sibṭ Hasan, *Pakistan me Tahzib ka Irteqa* (Karachi: Maktaba Daniyal, 1989), 11.

[10] سیموئیل پی ہنٹنگٹن، **تہذیبوں کا تصادم**، ۶۵۔

Samuel P. Huntington, *Tahzebon ka Tasadum*, 65.

[11] شبلی نعمانی، سیرۃ النبی (لاہور: مکتبہ اسلامیہ، ۲۰۱۲ء)، ۱:۹۸۔

Shibli Numani, *Sīrat al-Nabi*, (Lahore: Maktaba Islamia, 2012), 1:98.

[12] الحجرات: ۱۳

Al-Hujrat, 13

[13] قاضی سلیمان منصورپوری، رحمۃ للعالمین (فیصل آباد: مرکزالحرمین الاسلامی، ۲۰۰۷ء)، ۱:۱۱۶۔

Safi al Rehman Mubarakpuri, *Al-Rahīq Al-Makhtūm* (Faisalabad: Al Maktabah Al-Salafiyah, 2002), 54.

[14] صفی الرحمٰن مبارکپوری، الرحیق المختوم (اردو) (فیصل آباد: المکتبۃ السلفیہ، ۲۰۰۲ء)، ۵۴۔

Mubarakpuri, Safi ur Rehman, *Al Rahīq Al Makhtūm*, (Faisalabad: Al Maktabah Al Safia, 2002), p: 54

[15] شبلی نعمانی، **سیرۃ النبی**، ۱: ۱۰۳۔۱۰۴۔

Shibli Numani, *Sīrat al-Nabi*, 1: 103-104.

[16]زکی المیلاد، تہذیبی مذاکرات کی اسلامی تاریخ، ماہنامہ: دارالعلوم، اکتوبر۔نومبر، جلد:۸۹، شمارہ: ۱۰۔۱۱(۲۰۰۵ء)۔

Zaki Al-Melad, *Thedhibi mudhakarat ki islami tareekh*, Monthly: Dār al-Ulūm, October-November 89, no. 10-11 (2005).

[17]زین العابدین وانتظام اللہ شہابی، تاریخ ملت (کراچی: ادارہ اسلامیات، ۱۹۹۱ء)، ۱: ۷۲۴۔

Zain ul Abdeen and Intizam allah Shahbani, *Tarīkh e Milat* (Karachi: IDāra Islamiyat, 1991), 1: 724.

[18]ایضاً، ۱: ۷۲۷۔

Ibid., 1: 727.

[19]عبدالرحمٰن ابن خلدون، **مقدمہ ابن خلدون** مترجم: راغب رحمانی (لاہور: نفیس اکیڈمی، ۲۰۰۱ء)، ۲: ۲۰۹۔

Abdu Rehman ibn e Khuldūn, *Mukadma Ibn e Khuldūn* trans. Ragib Rahmani, (Lahore: Nafees Academi, 2001), 2: 2009.

[20]ابن خلقان، **وفیات الأعیان وانباء ابناء الزمان** (بیروت: دار صادر، ۱۹۷۲ء)، ۲: ۱۲۸۔

Ibn e Khallekan, *Wafeyat Al'ayan wa Anba e Abna e Alzaman* (Beirūt: Dār Sader, 1972), 2: 128.

[21]زین العابدین وانتظام اللہ شہابی، **تاریخ ملت**، ۱: ۷۹۲۔

Zain ul Abdeen and Intizam allah Shahbani, *Tarīkh e Milat*, 1: 792.

[22]حاجی خلیفہ، **کشف الظنون** (بیروت: دارالاحیاء التراث العربی، س ن)، ۲: ۳۷۔

Haji Khalifa, *Kashaf ul Zanoon* (Beirūt: Dār Ihya ul Turas Al Arbi, n.d.) 2: 37.

[23]زکی المیلاد، تہذیبی مذاکرات کی اسلامی تاریخ، ماہنامہ: دارالعلوم، اکتوبر۔نومبر، جلد:۸۹، شمارہ: ۱۰۔۱۱(۲۰۰۵ء)۔

Zaki Al-Melad, *Thedhibi mudhakarat ki islami tareekh*, Monthly: Dār al-Ulūm, October-November 89, no. 10-11 (2005).

[24]زین العابدین وانتظام اللہ شہابی، **تاریخ ملت**، ۲: ۲۰۱۔۲۰۲

Zain ul Abdeen and Intizam allah Shahbani, *Tarīkh e Milat*, 2: 201-202.

[25]ایضاً، ۲: ۲۵۶۔

Ibid., 2: 256.

[26]اسحاق بن ندیم، **الفہرست** (لندن: مؤسسۃ الفرقان للتراث الاسلامی، ۲۰۰۹ء)، ۳۳۱۔۳۳۹۔

Is'haq bin Nadim, *Al-Fehrist* (Londen: Moas'sasat Al furqan lituras Al Islami, 2009), 331-339.

[27]زین العابدین وانتظام اللہ شہابی، **تاریخ ملت**، ۱: ۷۲۵

Zain ul Abdeen and Intizam allah Shahbani, *Tarīkh e Milat*, 1: 725

[28]سبط حسن، پاکستان میں تہذیب کا ارتقاء، ص: ۱۵۲۔۱۵۸۔

Sibt Hasan, *Pakistan me Tahzib ka Irteqa*, 152-158.

[29]خلیق احمد نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات (دہلی: ندوۃ المصنفین، ۱۹۵۸ء)، ۷۴۔

Khaliq Ahmad Nizami, *Salatīn e Delhi ke Mazhabi Rujhanat* (Delhi: Nadvat ul Musanefin, 1958), 74.

[30]عماد الحسن آزاد فاروقی وڈاکٹر محمد عمر، ہند اسلامی تہذیب کا ارتقاء (نئی دہلی: مکتبہ جامعہ، ۱۹۸۵ء)، ۳۸۔۳۹۔

Emad al Hassan Āzad Farooqi and Dr. Muhammad Umar, *Hind Islami Tahzib ka Irtaqa* (Delhi: Maktabah Jamia 1985), 38-39.

[31]نعیم اللہ بہرائچی، **معمولات مظہریہ** (اوکاڑہ: کرمانوالہ بک شاپ، ۲۰۰۹ء)، ۸۴۔

Behraechi, Naem ullah, *Mamulat e Mazhariah* (Okara: Karman wala Book Shop, 2009), 84.

[32]مرزا محمد حسن قتیل، **ہفت تماشا**، مترجم: ڈاکٹر محمد عمر (دہلی: مکتبہ برہان، ۱۹۶۸ء)، ۱۳۹۔

MirzaMuhammad Hassan Qatel, *Hafat Tamasha* trans. Dr. Muhammad Umar, (Delhi: Maktabah Burhan, 1968), 139.

[33]شاہ ولی اللہ دہلوی، **وصیت نامہ** (دلی: مکتبہ احمدیہ، س ن)، ۷۴۔

Shah Walī Ullah Dehlavī, *Wasi'at Namah* (Delhi: Maktabah Ahmadiah, n.d.), 74.

[34]عماد الحسن آزاد فاروقی وڈاکٹر محمد عمر، **ہند اسلامی تہذیب کا ارتقاء**، ۴۴۔

Emad al Hassan Āzad Faroqi and and Dr. Muhammad Umar, *Hind Islami Tahzib ka Irtaqa*, 44.

[35]ضیاء الدین برنی، **تاریخ فیروز شاہی** (کلکتہ: ۱۸۶۲ء)، ۳۶۳۔۳۶۴۔

Zia ul Deen Barni, *Tarīkh Feroz Shahi* (Kalqata: 1862), 363-364.

[36]عماد الحسن آزاد فاروقی وڈاکٹر محمد عمر، **ہند اسلامی تہذیب کا ارتقاء**، ۵۵۔

Emad al Hassan Āzad Faroqi and and Dr. Muhammad Umar, *Hind Islami Tahzib ka Irtaqa*, 55.

[37]ایضاً، ۵۹۔۶۰۔

Ibid., 59-60.

[38]المائدۃ: ۳۔

Al-Ma'idah, 3.

[39]ابوداؤد سلیمان بن اشعث، **السنن** (ریاض: دار السلام، ۱۹۹۹ء)، حدیث: ۳۶۴۱۔

Abu Da'wood Suleman bin Ash'th, *al-Sunan* (Riyaḍ: Dar al-Salam, 1999), Ḥadīth # 3641.

[40]زین العابدین و انتظام اللہ شہابی، **تاریخ ملت**، ۱: ۱۹۹۔

Zain ul Abdeen and Intizam allah Shahbani, *Tarīkh e Milat*, 1: 199.

[41]ایضاً، ۱: ۱۰۰۔

Ibid., 1: 100.

[42]المائدۃ: ۵۔

Al-Ma'idah, 5.

[43] محمد بن عیسیٰ الترمذی، **السنن** (ریاض: دارالسلام، ۱۹۹۹ء)، حدیث: ۱٦٧٢۔

Muḥammad bin Isa Al Tirmidhī, *al-Sunan* (Riyaḍ: Dar al-Salam, 1999), Ḥadīth # 1672.

[44] محمد بن اسماعیل البخاری، **الجامع الصحیح** (ریاض: دارالسلام، ۱۹۹۹ء)، حدیث: ۲۰۲۲۔

Muḥammad bin Ismaīl Al Bukhārī, Al-Ṣaḥīḥ al-Jāmi' (Riyaḍ: Dar al-Salam, 1999), Ḥadīth # 2022.

[45] اکبر شاہ نجیب آبادی، **تاریخ اسلام** (لاہور: دارالاندلس، س ن)، ۲۱۴۔

Akbar Shah Najeeb A'abadi, *Tarīkh e Islam* (Lahore: Dār ul Andlus, n.d.), 214.

[46] شبلی نعمانی، **الفاروق** (کراچی: دارالاشاعت، س ن)، ۲۲۲۔

Shibli Numani, *Al-Farooq* (Karachi: Dār ul Asha'at, n.d.), 222.

[47] اسحاق احمد بھٹی، **تاریخ اسلام کا انسائیکلوپیڈیا** (لاہور: آواز اشاعت گھر، ۲۰۰۳ء)، ۵۹۔

Is'haq Ahmad Bhatti, *Tarīkh e Islam ka encyclopedia* (Lahore: Awaz Asha'at Ghar, 2003), 59.

[48] زین الدین ابن نجیم، **البحر الرائق** (بیروت: دارالکتب العلمیہ، ۱۹۹۷ء)، ۲: ۱۸۔

Zain ul Deen Ibn e Najeem, *Al-Bahr al-Ra'iq* (Beirūt: Dār ul Kutab, 1997), 2: 18.

[49] عبداللہ بن احمد قرطبیؒ، **الجامع لاحکام القرآن** (بیروت: مؤسسۃ الرسالہ، ۲۰۰٦ء)، ۱٦: ۱۹۳۔

Muhammd bin Aḥmad Al Qurṭabī, *Al Jām'i li Aḥkām Al Qur'ān* ((Beirūt: Moasasah Al resalah, 2006), 16: 193.

[50] احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ، **اسلام اور غیر اسلامی تہذیب**، مترجم: شمس تبریز خاں (لکھنؤ: مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، ۱۹۷۹ء)، ٦٦۔

Ahmad ibn 'Abdul Halīm Ibn e Taimyyah, *Islam aor Gair Islami Tehzib* translator: Shamas Tabraiz Khan, (Lucknow: Majlis Tahqiqat o Nashriat Islam, 1979), 66.

[51] الانعام: ۹۰۔

Al-In'am, 90.

[52] النحل: ۱۲۳۔

Al-Nahal, 123.

[53] ملا علی قاری، **منح الروض الازہر** (بیروت: دارالبشائر الاسلامیہ، س ن)، ۱۸۵۔

Mula 'Ali Qari, *Minḥ Al-Raūḍ al-azhar* (Beirūt: Dār ul Bashaer Al Islamia, n.d.), 185.

[54] غلام رسول سعیدی، **تبیان القرآن** (لاہور: فرید بک سٹال، ۲۰۰۹ء)، ۹: ۲٦۸۔

Ghulam Rasool Saidi, *Tibyan ul Qur'ān* (Lahore: Fareed Book Stal, 2009), 9: 268.

[55] انور شاہ کشمیری، **انوار الباری** (بیروت: دارالکتب العلمیہ، ۲۰۰۵ء)، ۲: ۱۵۔

Kashmiri, Anwar Shah, *Anwar ul Bari* (Beirūt: Dār ul Kutab Al Ilmia, 2005), 2: 15.

[56] المائدۃ: ۵۲۔

Al-Ma’idah, 52.

[57]الکافرون:٦۔

Al-Kafirūn, 6.

[58]محمد بن عیسیٰ الترمذی، السنن حدیث:١٨٧٠۔

Muḥammad bin ‘Isa Al Tirmidhī, *Al-Sunan al Tirmidhī,* Ḥadīth # 1870.

[59]ایضاً، ۲۹۳۳۔

Ibid., Ḥadīth # 2933.

[60]ابوداؤد، السنن حدیث:۴۰۴۹۔

Abu Daod, *al-Sunan*, Ḥadīth # 4049.

[61]ناصر الدین البانی، **صحیح الترغیب والترہیب** (الریاض: مکتبۃ المعارف، ۲۰۰۰ء)، حدیث:۲۳۹۸۔

Nasir uddin Albani, *Ṣaḥīḥ Al-targib wal-tarhib* (Riayaḍ: Maktabah Al ma’arif, 2000), Ḥadīth # 2398.